چند قواعد فقہیہ کی وضاحت

علامہ ابوالعرفان محمد انور مکھالوی

(قسط نمبر ۱۱)

قاعدہ نمبر ۵۴:

"یُقْبَلُ قَوْلُ الْمُتَرْجِمِ مُطْلَقًا" (ترجمان کا قول مطلقاً قبول کیا جائیگا)۔

ترجمان کی ضرورت ہمیشہ ایسے حالات میں پیش آتی ہے جب متکلم اور سامع ہم زبان نہ ہوں اور ایک دوسرے کی گفتگو کو سمجھنے کی قدرت نہ رکھتے ہوں ایسے حالات میں ایسے مترجم کی ضرورت ہوتی ہے جو متکلم کی زبان سے صرف واقف ہی نہ ہو بلکہ اس کے اسرار و رموز سے بھی آگاہ ہو اور سامعین تک متکلم کی گفتگو کا حقیقی مفہوم و مقصود پہنچانے کی صلاحیت تامہ رکھتا ہو اگر ترجمان میں ایسا ملکہ موجود ہو تو پھر اس کا قول بلا قید و شرط قبول ہوگا۔

مثلاً اگر قاضی کی عدالت میں ایسا مقدمہ دائر ہو جائے جس کا مدعی قاضی کا ہم زبان نہ ہو یعنی نہ وہ اس کی زبان میں اپنا مقصود و مدعا اس کے گوش گزار کر سکتا ہو اور نہ قاضی اس کی زبان سے واقف ہو تو ایسی صورت میں قاضی کے ذمہ لازم ہے کہ شہادتیں لیتے وقت ایسے شخص کو مترجم مقرر کرے جو مدعی اور شاہدوں کی زبان سے واقفیت کے ساتھ ساتھ اس کے اسرار و غوامض سے بھی اچھی طرح آگاہ ہو اور اس کی عدالت و صداقت بین اور واضح ہو۔ جب مذکورہ اوصاف سے متصف ترجمان کے واسطہ سے قاضی شہادتیں قلمبند کرے گا تو اس صورت میں ترجمان کا قول تمام مقدمات یعنی حدود اور دیگر معاملات میں قابل تسلیم ہوگا اور اگر ترجمان کی عدالت اور تزکیہ مشکوک ہوا تو پھر اس کا قول معتبر نہیں سمجھا جائے گا۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا شہادت کی ترجمانی کے لئے صرف ایک آدمی کافی ہے یا شاہدین کی طرح ان کا بھی دو ہونا ضروری ہے تو اس مسئلہ میں آئمہ کے مابین اختلاف ہے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایسی صورت میں صرف ایک ترجمان کافی ہے جب کہ اس کے برعکس حضرت امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول یہ ہے کہ ایک ترجمان کافی نہیں بلکہ شاہدین کی مثل ان کا بھی دو ہونا ضروری ہے۔

☆ فقہ المعاملات: پر اپنی نوعیت کا پہلا اور منفرد مجلہ ☆

قاعدہ نمبر ۵۵:

"اَلْاَصْلُ فِی الْاَشْیَآءِ اَلْاِبَاحَۃُ حَتّٰی یَدُلَّ الدَّلِیْلُ عَلٰی عَدَمِ الْاِبَاحَۃِ"

(اشیاء میں اصل اباحت ہے یہاں تک کہ عدم اباحت پر کوئی دلیل دلالت کرے)

یعنی فی الحقیقت تمام اشیاء اور اعمال مباح ہیں مگر جب کسی عمل یا شئی کے بارے میں حرمت، کراہت یا عدم اباحت کی دلیل قائم ہو جائے تو پھر ایسا عمل کرنا اور اس شئی کا استعمال ممنوع ہوتا ہے اس اصول سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عدم اباحت اور ممنوعیت ثابت کرنے کے لئے تو دلیل کی ضرورت ہے مگر اباحت کے ثبوت کے لئے دلیل کی ضرورت نہیں۔

اس قاعدہ کی اصل اور بنیاد یہ ارشاد خداوندی ہے:

"هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ط"

(وہی تو ہے جس نے جو کچھ زمین میں ہے سب کچھ تمہارے لئے پیدا کیا ہے)

اس آیت طیبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے لئے زمین میں موجود جمیع اشیاء سے انتفاع کرنا مباح ہے مگر ان اشیاء سے مباح نہیں ہوگا جن کی کسی بھی اعتبار سے شریعت نے ممانعت فرمادی ہو۔ مذکورہ قاعدہ کی تائید مہلب کے اس قول سے بھی ہوتی ہے۔

"اِنَّ الْاَشْیَآءَ مُبَاحَۃٌ حَتّٰی یَقُوْمَ الدَّلِیْلُ عَلَی الْحَظْرِ" (عمدۃ القاری، ج ۱۱، ص ۱۷۱)

(بے شک تمام اشیاء مباح ہیں یہاں تک کہ نفی پر دلیل قائم ہو جائے)۔

اس کی مزید تائید اس اصول سے بھی ہوتی ہے:

"اِنَّ الْاِثْبَاتَ اَوْلٰی مِنَ النَّفْیِ لِاَنَّ الْمُثْبِتَ اَوْلٰی وَ اَقْدَمُ مِنَ النَّافِیْ قَالَ بَعْضُهُمْ وَهُوَ وِفَاقُ اَهْلِ الْعِلْمِ" (عمدۃ القاری، شرح صحیح بخاری، ج ۱۳، ص ۱۹۸)

(بے شک کسی شئے کو ثابت کرنا نفی کرنے کی نسبت اولیٰ ہے۔ کیونکہ ثابت کرنے والا نفی کرنے والے کی نسبت اولی اور مقدم ہے بعض محققین نے کہا کہ اس اصول پر اہل علم کا اتفاق ہے)۔

حضرت علامہ کرخی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اَلْمُثْبِتُ اَوْلٰی مِنَ النَّافِیْ لِاَنَّ الْمُثْبِتَ معتمد علی الحقیقة فی خبرہ فیکون اقرب الی الصدق من النافی الذی یبنی الامر علی الظاهر" (عمدۃ القاری، ج ۱۳، ص ۱۹۸)

(ثابت کرنے والا نفی کرنے والے سے اولیٰ ہے کیونکہ ثابت کرنے والا اپنی خبر میں حقیقت پر اعتماد رکھتا ہے۔ اور یہ صدق کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ ایسے نافی کی نسبت جو امر کی بنیاد ظاہر پر رکھتا ہے)۔

تنبیہ:

بعض کتب میں یہ موجود ہے کہ زیر بحث قاعدہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک تو معتبر ہے۔ مگر امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک اس کا اعتبار نہیں بلکہ اصل قاعدہ اس طرح ہے:

"اِنَّ الْاَصْلَ اَلتَّحْرِیْمُ حَتّٰی یَدُلَّ الدَّلِیْلُ"

(بیشک اصل حکم حرمت کا ہے یہاں تک کہ اباحت پر دلیل قائم ہو جائے)۔

اور بعض کا قول یہ ہے:

"اِنَّ الْاَصْلَ فِی الْاَشْیَآءِ التَّوَقُّفُ"

(بے شک تمام اشیاء میں اصل حکم توقف کا ہے)۔

تو آیئے مذکورہ شبہ کے بارے میں غیر جانبدارانہ غور کریں اور دیکھیں کہ محققین کے نزدیک اس قاعدہ کی نسبت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کرنا درست ہے یا نہیں اور شبہ کہاں تک درست ہے تو اس بارے میں علامہ محب اللہ بہاری فرماتے ہیں:

"اِنَّ اَصْلَ الْاَفْعَالِ الْاِبَاحَةُ کَمَا هُوَ مُخْتَارُ اَکْثَرِ الْحَنَفِیَّةِ وَالشَّافِعِیَّةِ اَوِ الْحَظْرُ کَمَا ذَهَبَ اِلَیْهِ غَیْرُهُمْ" (مسلم الثبوت، ص ۲۱)

(بے شک افعال میں اصل حکم اباحت ہے یہی اکثر احناف اور شوافع کا ممتاز قول ہے یا حرمت جیسا بعض دوسروں نے ایسا کہا ہے)۔

علامہ ابن ہمام تحریر فرماتے ہیں:

"اَلْمُخْتَارُ الْاِبَاحَةُ عِنْدَ جَمْهُوْرِ الْحَنَفِيَّةِ وَالشَّافِعِيَّةِ" (ردالمحتار)

(جمہور احناف اور شوافع کے نزدیک مختار (پسندیدہ) قول اباحت ہے)۔

علامہ بیضاوی: "قل من حرم زينة الله التي الاية کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

" وَ فِيْهِ دَلِيْلٌ عَلٰى اَنَّ الْاَصْلَ فِى الْمَطَاعِمِ وَالْمَلَابِسِ وَاَنْوَاعِ التَّجَمُّلَاتِ الْاِبَاحَةُ "

(یہ آیت کریمہ اس پر دلیل ہے کہ کھانے پینے، پہننے اور زیب و زینت کی جمیع اقسام میں اصل اباحت ہے)۔

اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وَاعْلَمْ اَنَّ قَوْلَهٗ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مُطْلَقٌ يَّتَنَاوَلُ الْاَوْقَاتَ وَالْاَحْوَالَ وَيَتَنَاوَلُ جَمِيْعَ الْمَطْعُوْمَاتِ وَالْمَشْرُوْبَاتِ فَوَجَبَ اَنْ يَّكُوْنَ الْاَصْلَ مِنْهَا هُوَ الْحِلُّ فِىْ كُلِّ الْاَوْقَاتِ وَفِىْ كُلِّ الْمَطْعُوْمَاتِ وَالْمَشْرُوْبَاتِ اِلَّا مَا خَصَّهُ الدَّلِيْلُ الْمُنْفَصِلُ وَالْعَقْلُ اَيْضًا مُؤَيِّدٌ لَّهٗ لِاَنَّ الْاَصْلَ فِى الْمَنَافِعِ الْحِلُّ وَالْاِبَاحَةُ" (تفسیر کبیر، ج۴، ص۲۰۱)

(اور تو جان لے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی (کلوا واشربوا) (کھاؤ اور پیو) مطلق ہے جو جمیع اوقات اور احوال کو شامل ہے اور کھانے پینے کی تمام چیزوں کو بھی شامل ہے پس اس سے ثابت ہوا کہ بنیادی طور پر جمیع اوقات میں کھانے پینے کی تمام اشیاء کا استعمال جائز ہے سوائے ان چیزوں کے جنہیں کسی دلیل شرعی نے حرام قرار دیا ہو اور عقل بھی اس کی تائید کرتی ہے کیونکہ تمام منافع میں اصل اور بنیاد حلت اور اباحت ہے)۔

حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں:

"اِنَّ الْاَصْلَ فِى الْاَشْيَآءِ الْاِبَاحَةُ كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا " (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، ج۱، ص۲۶۳)

(بیشک اشیاء میں اصل اباحت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے: "اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے زمین میں تمام اشیاء تمہارے منافع کیلئے پیدا فرمائیں۔")

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: ''کہ اصل در اشیاء اباحت است'' (کہ تمام اشیاء میں اصل اباحت ہے) (اشعۃ اللمعات، ج ۳، ص ۴۷۹)

حضرت علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں:

''اِنَّ الْاَصْلَ فِی الْاَشْیَآءِ اَلْاِبَاحَۃُ وَالْحَظَرُ طَارٍ عَلَیْھَا'' (عمدۃ القاری، شرح صحیح بخاری، ج ۸، ص ۱۱۸)

(تحقیق اشیاء میں اصل حکم اباحت ہے اور پھر نفی اس پر طاری ہوتی ہے)۔

یعنی جمیع اشیاء بنیادی طور پر مباح ہیں مگر پھر کسی دلیل شرعی کے ساتھ حرام یا مکروہ ہوتی ہیں۔

مذکورہ بالا حوالہ جات سے یہ ثابت ہوا کہ بنیادی قاعدہ کی نسبت احناف کی طرف کرنا محققین ومحدثین کی نزدیک درست ہے اور اشیاء کی اباحت کے ثبوت کے لئے اس اصول کو بنیاد بنانا صحیح ہے۔

باقی رہے یہ دو اصول کہ تمام اشیاء میں اصل حکم حرمت کا ہے یا توقف کا ہے تو ان کے متعلق علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''قَالَ بَعْضُ اَصْحَابِنَا وَبَعْضُ اَصْحَابِ الشَّافِعِیْ وَمُعْتَزِلَۃُ بَغْدَادِ اِنَّھَا عَلَی الْحَظْرِ وَقَالَ الْاَشْعَرِیَّۃُ وَ عَامَۃُ اَھْلِ الْحَدِیْثِ اِنَّھَا عَلَی الْوَقْفِ'' (ردالمحتار)

(بعض حنفیہ، بعض شوافع اور معتزلہ بغداد کا مسلک یہ ہے کہ اشیاء میں اصل حرمت ہے اور اشعریہ اور عام اہل حدیث کا قول ہے کہ اصل توقف ہے)

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے اگرچہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ حرمت کا قول بھی بعض احناف نے کیا ہے مگر بعض کا قول تمام کی طرف منسوب کرنا قطعاً درست نہیں بلکہ عمل اکثر احناف کے قول کے مطابق ہوگا اور اکثر کے نزدیک مذکورہ قاعدہ مسلم ہے۔

مسائل مستنبطہ:

۱۔ اگر کسی جگہ دس در دس ہاتھ سے کم پانی کھڑا ہو اور اس میں یا اس کے قریب نجاست کا کوئی اثر موجود نہ ہو تو اسے اپنی اصلیت پر باقی رکھتے ہوئے اس کی طہارت کا حکم دیا جائے گا اور اس

سے کئے ہوئے وضو سے نماز کی ادائیگی درست ہوگی۔ اور اگر کسی نے اس کی طہارت کا انکار کیا تو اسے ایسی دلیل لانے کی ضرورت ہوگی جس سے پانی کا نجس ہونا ثابت ہو سکے ورنہ دعویٰ انکار باطل ہوگا۔

۲۔ اذان کے بعد یا اذان سے قبل حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ذاتِ اقدس پر درود شریف پڑھنا مستحب ہے کیونکہ "اَلْاَصْلُ فِی الْاَشْیَآءِ اَلْاِبَاحَۃُ" اگر کسی کا دعویٰ اس کے برعکس ہو تو اسے عدم اباحت کے ثبوت کے لئے دلیل لانے کی ضرورت ہوگی۔ ورنہ اس کا دعویٰ بے بنیاد اور ہٹ دھرمی پر محمول کیا جائے گا، گو مذکورہ اصول کے بعد اباحت کے ثبوت کے لئے مزید کسی دلیل کی ضرورت نہیں مگر آیئے اس مسئلہ میں بنظرِ عمیق غور کریں اور دیکھیں کیا اس بارے میں مزید شواہد موجود ہیں یا نہیں؟ اگر حقیقتاً دلائل ہیں تو پھر اس کی اباحت کا انکار کم از کم امت مصطفویہ میں شریک افراد کے لئے زیبا نہیں تو آیئے سب سے پہلے اپنے رحمۃ للعالمین آقا کا ارشاد ملاحظہ فرمایئے:

"عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرِ وبْنِ الْعَاصِ اَنَّہٗ سَمِعَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا یَقُوْلُ ثُمَّ صَلُّوْا عَلَیَّ فَاِنَّہٗ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلَاۃً صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ بِھَا عَشْرًا ثُمَّ سَلُوْا اللّٰہَ لِیَ الْوَسِیْلَۃَ فَاِنَّھَا مَنْزِلَۃٌ فِی الْجَنَّۃِ لَا تَنْبَغِیْ اِلَّا لِعَبْدٍ مِّنْ عِبَادِ اللّٰہِ وَارْجُوْا اَنْ اَکُوْنَ اَنَا ھُوَ فَمَنْ سَئَلَ لِیَ الْوَسِیْلَۃَ حَلَّتْ عَلَیْہِ الشَّفَاعَۃُ" (مسلم شریف، ج ۱، ص ۱۶۶، ترمذی، ج ۲، ص ۲۰۲، القول البدیع، ص ۱۸۶)

(حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم موذن کی اذان سنو تو اسی طرح کہو جیسے وہ کہہ رہا ہے پھر مجھ پر درود پڑھو پس جس نے ایک بار مجھ پر درود پڑھا اللہ تعالیٰ اس کے عوض اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا پھر میرے لئے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ کی التجاء کرو بے شک وسیلہ جنت میں ایک مقام ہے جو اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے صرف ایک کو چاہتا ہے اور

میں امید رکھتا ہوں کہ وہ میں ہی ہوں پس جس نے میرے لئے وسیلہ کی التجاء کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی)۔

اس حدیث طیبہ کے بارے میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ" (یہ حدیث حسن صحیح ہے) اور دارقطنی کتاب العلل میں فرماتے ہیں: "هُوَ حَدِيثٌ مُتَّصِلٌ" (یہ حدیث متصل ہے) امام نووی شرح مسلم میں دارقطنی کے قول کے متعلق فرماتے ہیں "هُوَ الصَّوَابُ فَالْحَدِيثُ صَحِيحٌ" (دارقطنی کا قول صحیح ہے پس یہ حدیث صحیح ہے) (شرح مسلم للنووی، ج ۱، ص ۱۶۶) پس اس سے ثابت ہوا کہ مذکورہ حدیث محدثین کے نزدیک ہر قسم کے ضعف اور جرح سے پاک ہے۔

حدیث طیبہ میں صیغہ امر "صلوا علی" ہر اس غلامِ مصطفیٰ کے لئے ہے جس کے کانوں میں اذان کی آواز پڑ رہی ہو اور یہ اس سے تقاضا کرتا ہے کہ جونہی اذان ختم ہو تو اپنے محبوب آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور ہدیہ درود پیش کرے اور اپنا دامن رحمت خداوندی کے پھولوں سے بھرے۔

"فَقَالَ الْحَلِيمِيُّ الْمَقْصُودُ بِالصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّقَرُّبُ إِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى بِامْتِثَالِ أَمْرِهٖ وَقَضَاءِ حَقِّ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" (القول البدیع، ص ۲۵)

(حلیمی نے کہا کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پر درود پاک پڑھنے کا مقصود اللہ تعالیٰ کے حکم کی پیروی اور آپ کے حق کی ادائیگی کے سبب قرب خداوندی حاصل کرنا ہے)۔

"وَقَالَ ابْنُ الْعَرَبِيِّ فَائِدَةُ الصَّلَاةِ عَلَيْهِ تَرْجِعُ إِلَى الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْهِ لِدَلَالَةِ ذٰلِكَ عَلٰى نُصُوحِ الْعَقِيدَةِ وَخُلُوصِ النِّيَّةِ وَ إِظْهَارِ الْمَحَبَّةِ وَالْمُدَاوَمَةِ عَلَى الطَّاعَةِ وَالْاِحْتِرَامِ لِلْوَاسِطَةِ"

(ابن عربی فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ذاتِ اقدس پر درود پاک پڑھنے کا فائدہ پڑھنے والے کی جانب ہی لوٹتا ہے کیونکہ وہ اس کے پختہ عقیدہ، خلوص نیت، اظہار محبت اور اطاعت و احترام پر مداومت اختیار کرنے کی دلیل ہے) (القول البدیع، ص ۲۵)

تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان کے بعد درود وسلام کا ہدیہ بارگاہِ مصطفوی میں پیش کرنا ارشاد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیل بھی ہے اور اظہارِ محبت بھی۔

مگر مذکورہ حدیث طیبہ میں صیغہ امر محققین کے نزدیک استحباب کے لئے ہے وجوب کے لئے نہیں جیسا کہ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"فِيْهِ اِسْتِحْبَابُ الصَّلٰوةِ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ فَرَاغِهٖ مِنْ مُتَابَعَةِ الْمُؤَذِّنِ" (شرح صحیح مسلم، ج۱، ص۱۶۶)

(مذکورہ حدیث طیبہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مؤذن کی متابعت سے فارغ ہونے کے بعد حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر درود پڑھنا مستحب ہے)۔

درود پاک جس طرح سامع کے لئے پڑھنا مستحب ہے اسی طرح مؤذن کے لئے پڑھنا بھی مستحب ہے اور دعائے وسیلہ درود پاک کے بعد پڑھنی چاہئے جیسا کہ ارشادِ نبوی ہے:

"عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَيَّ فَسَلُوْا اللهَ لِیَ الْوَسِيْلَةَ اَلْحَدِيْثُ اَخْرَجَهُ عَبْدُالرَّزَّاقِ هٰكَذَا" (القول البدیع، ص۱۸۹)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا جب تم مجھ پر درود پاک پڑھ چکو پھر اللہ تعالیٰ سے میرے لئے وسیلہ کی دعا مانگو۔

اسی طرح بہار شریعت میں بحوالہ ردالمحتار موجود ہے: ''جب اذان ختم ہو جائے تو مؤذن اور سامعین درود پاک پڑھیں اور اس کے بعد یہ دعا پڑھیں: ''اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ'' الخ (بہار شریعت، ج۳، ص۳۱)

مذکورہ بحث سے یہ ثابت ہوا کہ اذان کے بعد درود پاک پڑھنا مستحب ہے اور سنت سے ثابت ہے لہٰذا اگر کسی کا دعویٰ اس استحباب کے خلاف ہو تو اسے اپنے مؤقف کے حق میں کم سے کم ایسی خبر واحد ضرور لانا ہوگی جس سے صراحۃً استحباب کی نفی ثابت ہو ورنہ دعویٰ بلا دلیل باطل ہوگا۔

اب رہا مسئلہ اذان سے قبل درود پاک پڑھنے کا تو اس ضمن میں گزارش یہ ہے کہ رب

قدوس اپنے پاک کلام میں ارشاد فرماتے ہیں:

"اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ط یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا o "(الاحزاب، پ۲۲:۵۶)

(بے شک اللہ اور اس کے فرشتے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود وسلام بھیجو)۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اور ملائکہ کی جانب سے اپنے محبوب پر صلوٰۃ بھیجنے کی خبر دی ہے اور اہل ایمان کو ان پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ مگر یہ حکم نہ تو وقت کی قید سے مقید ہے اور نہ ہی اس میں مخصوص عدد کا ذکر ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ چونکہ آیت کریمہ میں صیغہ امر وجوب کے لئے ہے اس لئے جب بھی آیت طیبہ کی تلاوت کی جائے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی لیا یا سنا جائے تو درود پاک پڑھنا واجب ہے جیسا کہ امام طحاوی فرماتے ہیں:

"یُحِبُّ کُلَّمَا سَمِعَ ذِکْرَ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ غَیْرِہٖ اَوْ ذَکَرَہٗ بِنَفْسِہٖ" قَالَہُ الطَّحَاوِیُ وَ جَمَاعَۃٌ مِّنَ الْحَنَفِیَّۃِ وَالْحَلِیْمِیُ وَالشَّیْخُ اَبُوْ حَامِدِ الْاَسْفَرَائِیْنِیُ وَجَمَاعَۃٌ مِّنَ الشَّافِعِیَّۃِ وَقَالَ اِبْنُ الْعَرَبِیُ مِنَ الْمَالِکِیَّۃِ اِنَّہُ الْاَحْوَطُ "(القول البدیع، ص۱۰)

مگر جب مذکورہ صورت نہ ہو تو جمیع اوقات میں غیر معین تعداد کے ساتھ درود پاک کا نذرانہ پیش کرنا مستحب ہے چاہے صبح ہو یا شام، دن ہو یا رات سفر ہو یا حضر، اذان سے پہلے ہو یا بعد۔ بشرطیکہ کوئی شرعی ممانعت یا خلاف ادب کیفیت نہ ہو جیسا کہ شہاب بن ابی حجلہ اپنے قصیدہ میں فرماتے ہیں:

"صَلُّوْا عَلَیْہِ کَمَا صَلَّیْتُمْ لِتَرَوْا بِہٖ یَوْمَ النَّجْلَۃِ نَجَاحًا
صَلُّوْا عَلَیْہِ کُلَّ لَیْلَۃِ جُمُعَۃٍ - صَلُّوْا عَلَیْہِ عَشِیَّۃً وَصَبَاحًا"

آپ پر درود پڑھو جب بھی تم نماز پڑھو تا کہ اس کے وسیلہ سے یوم قیامت کو کامیاب ہوسکو، آپ پر جمعہ کی رات درود پڑھو آپ پر صبح وشام درود پڑھو۔

"صَلُّوْا عَلَیْہِ کَلَّمَا ذُکِرَ اِسْمُہٗ. فِیْ کُلِّ حِیْنٍ غُدْوَۃً وَ رَوَاحًا"

(آپ پر درود بھیجو جب بھی آپ کا اسم گرامی لیا جائے۔ ہر وقت صبح و شام آتے جاتے)۔

"فَعَلَى الصَّحِيحِ صَلوَاتُكُمْ فَرْضٌ إِذَا ذُكِرَ اِسْمُهُ وَسَمِعْتُمُوْهُ صَرَاحًا."

(پس صحیح روایت کے مطابق تم پر درود پڑھنا واجب ہے۔ جب آپ کا اسم گرامی لیا جائے اور تم اسے صراحتہً سنو)۔

اب اگر اذان سے قبل یا بعد درود پاک پڑھنا ممنوع قرار دیا جائے تو یہ مطلق عن الوقت حکم کو مقید بالوقت کرنے کے مترادف ہے اور ایسا کرنا تب تک صحیح نہیں جب تک ایسی قرآنی آیت یا حدیث متواتر بیان نہ کی جائے جو مذکورہ مطلق آیت کی تقید کا فائدہ دے اگر ایسا ہے تو سر تسلیم خم کرنے سے انکار نہیں۔ اگر ایسا ہرگز نہیں تو پھر محض خدشات و آراء کی بناء پر قرآنی مطلق حکم کی تقیید ممکن نہیں۔ لہٰذا جب اذان سے قبل یا بعد درود پاک پڑھنا زیادہ سے زیادہ مستحب قرار دیا گیا ہے تو پھر کسی کے لئے یہ زیبا نہیں کہ اگر ان اوقات میں اسے درود پاک پڑھنا نصیب نہیں تو وہ دوسروں کو اس سعادت عظمیٰ سے محروم کرنے کی زحمت کرتا رہے۔ رب قدوس اپنے محبوب اور امت کے غمخوار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ ستودہ صفات پر بیش از بیش ہدیہ صلوٰۃ و سلام بھیجنے کی سعادت ارزانی فرمائے، آمین بجاہ نبیہ الکریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

(۳) دعا بعد از نماز جنازہ:

نمازِ جنازہ کے بعد میت کے لئے دعا مانگنا مستحب ہے۔ کیونکہ "اَلْاَصْلُ فِی الْاَشْیَآءِ الْاِبَاحَةُ" اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں: "وَاَمَّا سُوَالُ كُلِّ اَمْرٍ يَحْتَاجُ اِلَيْهِ الْعَبْدُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَالْاِسْتِعَاذَةُ مِنْ كُلِّ شَرٍّ فَمَامُوْرٌ بِهٖ مُسْتَحَبٌّ بِاِجْمَاعِ الْعُلَمَآءِ" (تفسیر مظہری، ج ۸، ص ۳۶۹) (ہر ایسی شئی کا سوال کرنا جس کا بندہ دنیا اور آخرت میں محتاج ہوتا ہے اور ہر شر سے پناہ طلب کرنا مستحب ہے اس حکم پر علماء کا اجماع ہے)۔

لہٰذا نمازِ جنازہ کے بعد میت کو قبر میں جو حالات پیش آنے والے ہیں ان سے سرخرو ہونے کے لئے اور قبر کے امتحان میں کامیابی سے ہمکنار ہونے کے لئے اسے اپنے مؤمن بھائیوں کے تعاون کی ضرورت ہے۔ لیکن اب تعاون کی صورت صرف اور صرف یہ ہے کہ نماز جنازہ میں

دعائے مغفرت پڑھنے کے باوجود اپنے رب کریم کے حضور انتہائی عاجزی و انکساری اور خشوع و خضوع کے ساتھ میت کی مغفرت اور اس کی قبر کے بقعہ نور بننے کی التجا ہاتھ اٹھا کر کی جائے تا کہ میت کی جانب سے اپنے مؤمن بھائیوں کے ذمہ جو الوداعی حقوق ادا کرنا لازم ہیں ان کی ادائیگی میں کسی بخل اور کنجوسی کا اظہار نہ ہو۔ جس بارگاہِ اقدس میں دست سوال دراز کرنا ہے اس نے تو قبولیت کے دروازے ہمہ وقت کھلے رکھنے کا اعلان کر رکھا ہے جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

"أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ"(البقرہ:۱۸۶)

(میں دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ دعا مانگتا ہے)

اور قبولیت کی نوید جانفزا رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا رکھی ہے جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

"عَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ رَبَّكُمْ حَيٌّ كَرِيْمٌ يَسْتَحْيِيْ مِنْ عَبْدِہٖ اِذَا رَفَعَ يَدَيْہِ اَنْ يَّرُدَّھُمَا صِفْرًا"

(رواہ ترمذی وابوداؤ، مظہری، ج ا،ص ۲۰۲)

(حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بے شک تمہارا رب انتہائی حیاء والا اور سخی ہے جب اس کا بندہ اس کی بارگاہ میں ہاتھ پھیلائے تو اسے انہیں خالی واپس کرتے ہوئے اپنے بندے سے حیاء آتی ہے)۔

مذکورہ ارشادات میں وقت کا تعین قطعاً نہیں کیا گیا اور نہ اس کا پابند بنایا گیا ہے کہ ایک بار مانگنے کے بعد دوبارہ یا سہ بارہ مانگنے کی اجازت نہیں۔ جب ایسا ہے تو پھر کیوں نہ بلا جھجک اپنا خالی دامن پھیلا کر، آنکھوں سے اشک بہا کر اور دل کو سراپا تسلیم و رضا بنا کر اپنے اور اپنے جدا ہونے والے ساتھی کی مغفرت اور بلندی درجات کے لئے پختہ عزم اور یقین کے ساتھ دعا کی جائے تا کہ "اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ" (دعا عبادت کا مغز ہے) کے تحت میت پر ادا کی گئی نماز جنازہ کا حق ادا ہو جائے اور رب قدوس کے اس فرمان پر بھی عمل ہو جائے:"فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ" (الانشراح:۷،۸) اس آیت طیبہ کی تفسیر میں علامہ ابن جریر طبری فرماتے ہیں:

"عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ اَنَّہٗ قَالَ اَیْ اِذَا فَرَغْتَ مِنَ الصَّلٰوةِ فَانْصَبْ فِی الدُّعَاءِ"(ضیاء القرآن، ج ۵،ص ۶۰۱)

(یعنی امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب آپ نماز ادا کرنے سے فارغ ہو جائیں تو بڑے خشوع وخضوع کے ساتھ دعا مانگنا شروع کردیں)۔

اور علامہ ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"قَالَ بْنُ عَبَّاسٍ وَقَتَادَةُ وَالضَّحَاکُ وَمُقَاتِلٌ وَالْکَلْبِیُ اِذَا فَرَغْتَ مِنَ الصَّلٰوہ الْمَکْتُوبَۃِ اَوْ مُطْلَقِ الصَّلٰوۃِ فَانْصَبْ اِلٰی رَبِّکَ فِی الدُّعَآءِ وَارْغَبْ اِلَیْہِ" (تفسیر مظہری، ج۱،ص۲۹۴)

(یعنی حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ ضحاک، مقاتل اور کلبی فرماتے ہیں جب آپ فرض نماز یا مطلق نماز سے فارغ ہو جائیں تو بڑے خشوع وخضوع کے ساتھ آپ رب کی بارگاہ میں دعا کیجئے اور اسی کی طرف رغبت رکھئے)

مذکورہ تفسیر میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی بھی نماز کے بعد چاہے وہ فرض عین ہو یا فرض کفایہ، واجب ہو یا نفل دعا مانگنا بدعت یا خلاف شرع نہیں بلکہ امام المفسرین اور دیگر محققین کے نزدیک عین فرمان خداوندی کے مطابق ہے۔

اب آیئے زیر بحث مسئلہ میں اپنے اس محبوب آقا مدنی تاجدار، امت کے غم خوار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی طرف جس کی اتباع واطاعت بارگاہِ ایزدی عزوجل میں پذیرائی کے حصول کے لئے بنیادی شرط ہے:

"عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّہٗ قَالَ نَعٰی لَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ النَّجَاشِیَ صَاحِبَ الْحَبْشَۃِ فِی الْیَوْمِ الَّذِیْ مَاتَ فِیْہِ فَقَالَ اسْتَغْفِرُوْا لِاَخِیْکُمْ" (مسلم شریف، ج۱،ص۳۰۹)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس دن شاہ حبشہ نجاشی (اصحمہ) نے وفات پائی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں اس کی موت کی خبر دی اور فرمایا اپنے بھائی کے لئے مغفرت کی دعا مانگو)۔

یہ واقعہ ابن ہشام نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"فَلَمَّا مَاتَ النَّجَاشِیُ صَلّٰی عَلَیْہِ وَاسْتَغْفَرَ لَہٗ"

(سیرت ابن ہشام، ج۱،ص۳۶۴)

☆ فقہ المعاملات پر اپنی نوعیت کا پہلا اور منفرد مجلّہ ☆

(جب نجاشی نے وفات پائی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُن پر نماز جنازہ پڑھی اور اُن کے لئے دعائے مغفرت کی)

اس سے یہ معلوم ہوا کہ نمازِ جنازہ کے بعد نجاشی کے لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی دعائے مغفرت فرمائی اور صحابہ کرام کو بھی دعائے مغفرت کا حکم ارشاد فرمایا:

اسی طرح حضرت زید بن حارثہ اور حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہما کا واقعہ بھی ہے:

"عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُمَرَ وَ عَنْ عَبْدِاللہِ بْنِ اَبِیْ بَکْرٍ قَالَا لَمَّا الْتَقَی النَّاسُ بِمُوْتَۃَ جَلَسَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَی الْمِنْبَرِ وَکُشِفَ لَہٗ مَا بَیْنَہٗ وَبَیْنَ الشَّامِ فَھُوَ یَنْظُرُ اِلٰی مَعْرِکَتِھِمْ فَقَالَ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَخَذَ الرَّاٰیَۃَ زَیْدُ بْنُ حَارِثَۃَ فَمَضٰی حَتّٰی اسْتُشْھِدَ وَصَلّٰی وَدَعَالَہٗ وَقَالَ اسْتَغْفِرُوْا لَہٗ وَقَدْ دَخَلَ الْجَنَّۃَ وَھُوَ یَسْعٰی ثُمَّ اَخَذَ الرَّاٰیَۃَ جَعْفَرُ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ فَمَضٰی حَتّٰی اسْتُشْھِدَ فَصَلّٰی عَلَیْہِ وَدَعَالَہٗ وَقَالَ اسْتَغْفِرُوْا لَہٗ وَقَدْ دَخَلَ الْجَنَّۃَ فَھُوَ یَطِیْرُ فِیْھَا بِجَنَاحَیْہِ حَیْثُ شَآءَ" ھٰذَا حَدِیْثٌ مُرْسَلٌ مِنَ الطَّرِیْقَیْنِ الْمَذْکُوْرَیْنِ اَخْرَجَہُ الْوَاقِدِیُ فِیْ کِتَابِ الْمَغَازِیْ"

(عمدۃ القاری، شرح صحیح بخاری، ج ۸، ص ۲۲)

حضرت عاصم بن عمر اور حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہما دونوں نے کہا ہے کہ اسلامی لشکر موتہ کے میدان میں برسرِ پیکار تھا تو حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم منبر پر تشریف لائے تو ملک شام تک سامنے سے تمام حجابات اٹھا دیئے گئے۔ اور آپ میدان جنگ کا مشاہدہ فرمانے لگے۔ اسی اثناء میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ اسلامی لشکر کا علم حضرت زید بن حارثہ نے پکڑ رکھا ہے اور لڑ رہے ہیں حتیٰ کہ انہیں شہید کر دیا گیا ہے۔ پس آپ نے ان پر نماز جنازہ پڑھی اور ان کے لئے دعا کی اور صحابہ کرام کو فرمایا تم بھی ان کے لئے مغفرت کی دعا مانگو وہ جنت میں داخل ہو چکے ہیں اور گھوم پھر رہے ہیں۔ پھر حضرت جعفر بن ابی طالب نے علم پکڑا ہے وہ لڑتے رہے یہاں

تک کہ وہ شہید کر دیئے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر نماز جنازہ پڑھی اور ان کے لئے دعا کی اور فرمایا ان کے لئے دعائے مغفرت کرو، تحقیق وہ جنت میں داخل ہو چکے ہیں اور اپنے دو پروں کے ساتھ جہاں چاہیں اڑ سکتے ہیں۔ یہ روایت مذکورہ دونوں سندوں کے اعتبار سے مرسل ہے اور اسے علامہ واقدی نے کتاب المغازی میں بیان کیا ہے)۔

حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہی روایت الفاظ کی تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ طبقات ابن سعد، ج ۴، ص ۳۷، ۳۸، میں بھی موجود ہے۔ زیر بحث مسئلہ کا ثبوت اس روایت میں صراحۃً موجود ہے۔ مگر اس کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ روایت مرسل ہے اس لئے حجت نہیں ہو سکتی۔ مگر یہ کہنا بے جا ہے۔ کیونکہ علامہ نووی فرماتے ہیں:

"اَلْـمُرْسَلُ مَذْهَبُ مَالِكٍ وَاَبِیْ حَنِیْفَةَ وَ اَحْمَدَ وَ اَكْثَرِ الْفُقَهَآءِ اَنَّهُ یُـحْتَـجُّ بِـهٖ وَ مَذْهَبُ الشَّافِعِیِّ اَنَّهُ اِذَا اِنْضَمَّ اِلَی الْمُرْسَلِ مَا یَعْضُدُ اُحْتَجَّ بِهٖ." (مقدمہ شرح مسلم، ج ۱، ص ۱۷)

(حدیث مرسل کے بارے میں حضرت امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام احمد اور اکثر فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ اسے بطور حجت پیش کیا جا سکتا ہے۔ اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ اگر مرسل کے ساتھ کوئی مقوی قرینہ مل جائے تو وہ حجت بن سکتی ہے ورنہ نہیں)۔

اس سے معلوم ہوا کہ احناف کے نزدیک حدیث مرسل حجت ہے۔ اور یہاں تو اس لئے بھی اس کے حجت ہونے میں شبہ نہیں ہو سکتا کیونکہ اس سے صرف ایک مستحب امر کا ثبوت مقصود ہے جس کے لئے کسی مرفوع متصل متواتر یا مشہور روایت کا ہونا ضروری نہیں۔

علاوہ ازیں زیر بحث مسئلہ کی نسبت سے یہ شبہ بھی ہو سکتا ہے کہ مذکورہ دونوں روایتوں میں دعا کے وقت میت کا سامنے موجود ہونا ثابت نہیں اس لئے اس مسئلہ میں یہ حجت نہیں بن سکتیں تو آیئے اس بارے میں احناف کا نقطۂ نظر معلوم کریں۔ احناف کے نزدیک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ نمازیں ایسی میتوں پر نہیں پڑھیں جو غائب تھیں بلکہ میتوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھ دیا گیا تھا اور حاضر میتوں پر ہی نمازیں ادا کی گئیں جیسا کہ نجاشی کے متعلق علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں:

"اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رُفِعَ لَہٗ سَرِیْرُہٗ فَرَاٰہُ فَتَکُوْنَ الصَّلٰوۃُ عَلَیْہِ لِمَیِّتٍ رَاٰہُ الْاِمَامُ وَلَا یَرَاہُ الْمَامُوْمُ"

(عمدۃ لقاری، ج ۸، ص ۱۱۹)

(بے شک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نجاشی کی چارپائی اٹھا کر لائی گئی آپ نے اسے دیکھا اور اس پر نماز پڑھی ایسی میت کی مثل جسے امام دیکھ رہا ہوتا ہے مگر مقتدی نہیں دیکھ سکتا)۔

حضرت ابن حبان اپنی صحیح میں عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں:

"اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَخَاکُمُ النَّجَاشِیَ تُوُفِّیَ فَقُوْمُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَصَفُّوْا خَلْفَہٗ فَکَبَّرَ اَرْبَعًا وَھُمْ لَا یَظُنُّوْنَ اِلَّا اَنَّ جَنَازَتَہٗ بَیْنَ یَدَیْہِ"

(بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہارا بھائی نجاشی فوت ہو چکا ہے اٹھو اور اس پر نماز پڑھو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور صحابہ کرام نے آپ کے پیچھے صفیں باندھیں اس حال میں کہ ان کا گمان تھا کہ میت آپ کے سامنے ہے)۔

"ذَکَرَ الْوَاحِدِیُّ فِیْ اَسْبَابِہٖ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ کُشِفَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ سَرِیْرِ النَّجَاشِیِّ حَتّٰی رَاٰہُ وَصَلّٰی عَلَیْہِ"

(عمدۃ القاری، ج ۸، ص ۱۱۹)

(اس کے اسباب میں سے واحدی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے نجاشی کی چارپائی سے حجابات اٹھا دیئے گئے تھے یہاں تک کہ آپ نے اسے دیکھا اور اس پر نمازِ جنازہ ادا کی)۔

"عَنْ یَحْیٰی فَصَلَّیْنَا خَلْفَہٗ وَنَحْنُ لَا نَرٰی اِلَّا اَنَّ الْجَنَازَۃَ قُدَّامَنَا"

(عمدۃ القاری، ج ۸، ص ۱۱۹)

(حضرت یحییٰ سے روایت ہے کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز

ادا کی اور ہم دیکھ رہے تھے کہ میت ہمارے سامنے ہے)۔

مذکورہ بالا روایات کی روشنی میں یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ احناف کے نزدیک مذکورہ مذکورہ روایات کی روشنی میں نماز جنازہ کے بعد جس دعا کا ذکر ہے وہ میت سامنے رکھ کر ہی کی گئی ہے لہٰذا کسی حنفی مسلک کے پیروکار کے لئے اعتراض کا کوئی حق باقی نہیں رہتا۔ لیکن مزید اطمینانِ قلب کے لئے ایسی روایات بھی درج کی جاتی ہیں جن میں ایسی میتوں پر دعا کا ثبوت موجود ہے جو سامنے ہیں اور امام ومقتدی ان کا مشاہدہ کررہے ہیں۔

چنانچہ علامہ علاؤالدین کاشانی اپنی مستند کتاب ''بدائع الصنائع'' میں روایت ذکر کرتے ہیں:

''وَلَنَا مَا رُوِیَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰی عَلٰی جَنَازَةٍ فَلَمَّا فَرَغَ جَآءَ عُمَرُ وَمَعَهُ قَوْمٌ فَاَرَادَ اَنْ يُّصَلِّیَ ثَانِيًا فَقَالَ لَهُمُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلصَّلٰوةُ عَلَی الْجَنَازَةِ لَا تُعَادُ وَلٰكِنْ اُدْعُ لِلْمَيِّتِ وَاسْتَغْفِرْ لَهٗ'' (بدائع الصنائع، ج۱،ص۳۱۱)

(ہماری دلیل یہ حدیث ہے جو اس طرح مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک میت پر نماز جنازہ پڑھائی پس جب نماز سے فارغ ہوئے تو اتنے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھ ایک جماعت آ پہنچی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دوبارہ نماز جنازہ پڑھنے کا ارادہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میت پر دوبارہ نماز نہیں پڑھی جا سکتی لیکن تم میت کے لئے دعا مانگو اور اس کے لئے مغفرت طلب کرو)۔

''رُوِیَ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ وَابْنَ عُمَرَ فَاتَتْهُمَا صَلٰوةٌ عَلٰی جَنَازَةٍ فَلَمَّا حَضَرَا زَادَ عَلَی الْاِسْتِغْفَارِ لَهٗ''

(بدائع الصنائع، ج۱،ص۳۱۱، المبسوط، ج۲،ص۶۷)

(روایت ہے کہ حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک شخص کی نماز جنازہ فوت ہوگئی جب وہ وہاں پہنچے تو اس کے لئے دعائے مغفرت فرمائی)۔

''رُوِیَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ اَنَّهٗ فَاتَتْهُ الصَّلٰوةُ عَلٰی جَنَازَةِ عُمَرَ

رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فَلَمَّا حَضَرَ قَالَ اِنْ سَبَقْتُمُوْنِیْ بِالصَّلٰوۃِ عَلَیْہِ فَلاَ تَسْبِقُوْنِیْ بِالدُّعَاءِ لَہٗ "(بدائع الصنائع، ج۱،ص۳۱۱، المبسوط، ج۲،ص۶۷)

(حضرت عبداللہ بن سلام سے روایت ہے کہ ان سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ فوت ہوگئی۔ جب آپ پہنچے تو حاضرین کو کہا کہ اگر تم ان کی نمازِ جنازہ پڑھنے میں مجھ سے سبقت لے گئے ہو تو ان کے لئے دعا مانگنے میں مجھ سے سبقت نہ لے جاؤ)۔

مذکورہ تمام حوالہ جات سے یہ ثابت ہوا کہ نمازِ جنازہ کے بعد میت کے لئے دعا مانگنا بدعت اور خلاف شرع عمل نہیں بلکہ آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عمل کے عین مطابق ہے۔ ہمارا مؤقف تو بنیادی اصول سے ہی ثابت ہے مزید دلیل کی ضرورت نہیں، مگر قلبی سکون کے لئے مندرجہ بالا روایات ذکر کی گئی ہیں۔ جن کے بعد ایک مستحب عمل کے ثبوت کے لئے کم سے کم ایسی خبر واحد کی ضرورت ہے جو صحیح بھی ہو اور اس میں بعد نمازِ جنازہ دعا مانگنے کی نفی صراحتہً موجود ہو اور اس کے ساتھ ساتھ قرآن پاک کے مطلق عن الوقت حکم کی تقیید کے لئے کسی قرآنی آیت یا حدیث متواتر کی بھی ضرورت ہے، اگر کوئی ایسی دلیل ہے تو پھر مجال انکار نہیں مگر ایسا ہرگز نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر آئیے پروردگار عالم کا یہ ارشاد گرامی غور سے پڑھئے، اس میں تدبر و تفکر کیجئے اور اپنے دعویٰ پر اس کی روشنی میں گہری نگاہ ڈالیئے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

" وَقَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ ط سَیَدْخُلُوْنَ جَھَنَّمَ دَاخِرِیْنَ o " (المؤمن، پ۲۴: ۶۰)

(اور تمہارے رب نے فرمایا مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا، بیشک جو لوگ میری عبادت کرنے سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے)۔

آیت کریمہ کے پہلے حصہ میں جمیع اوقات میں دعا مانگنے کی اجازت دی گئی ہے۔ جبکہ دوسرے حصہ میں دعا کو عبادت قرار دے کر اس کے منکرین کو جہنم کے عذاب شدید کی وعید سنائی گئی ہے لہٰذا اگر نمازِ جنازہ کے بعد دعا ممنوع قرار دی جائے تو جزوی طور پر دعا کا انکار لازم آتا ہے، جس

کے معتقد کا شمار منکرین دعا میں ہو جاتا ہے۔ معمولی عدم توجہی کے سبب عذابِ شدید میں گرفتار ہونے سے بچانے کے لئے ہی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

"عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَعْجِزُوْا عَنِ الدُّعَآءِ فَاِنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ عَلَيَّ اُدْعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ"

(تفسیر مظہری، ج۱، ص۲۰۰)

(حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دعا سے عجز کا اظہار نہ کرو، بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ آیت نازل فرمائی ہے: "اُدْعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ الآية")

گویا حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے دعا میں کسی نوعیت کی سستی یا غفلت برتنے سے منع فرمایا ہے اور یہ تنبیہ فرمائی کہ ایسا کوئی وقت نہیں جس میں بارگاہِ الٰہی میں اپنی التجاء پیش نہ کی جاسکتی ہو۔

اختتام سے قبل قرآن کریم کے اس ارشاد میں بھی غور کرتے چلیئے:

"يٰاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ" (الفاطر، پ۲۲: ۱۵)

(اے لوگو! تم اللہ کے محتاج ہو)

اس آیت طیبہ میں غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جمیع انسان اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں اور وہ تمام کا محتاج الیہ ہے۔ جمیع افراد حاجت مند ہیں اور وہ تمام کا حاجت روا ہے، انسان کے محتاج اور حاجت مند ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ ہمیشہ اور ہمہ وقت اپنے کریم اور سخی رب کے حضور دست سوال دراز کرتا رہے اور اپنی حاجت روائی کی التجاء کرتا رہے اور اگر بعض اوقات میں رب کی بارگاہ میں دست سوال دراز کرنے سے روکا جائے تو پھر اس کا مفہوم یا تو یہ ہوسکتا ہے کہ روکنے والا اپنے آپ کو من کل الوجوہ محتاج بارگاہِ الٰہی تصور نہیں کرتا یا پھر نعوذ باللہ اس کے پس پردہ یہ نظریہ پنہاں ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض مخصوص اوقات میں التجاء سننے پر قادر نہیں یا پھر کچھ عطا کرنے سے قاصر ہے۔ مگر یہ نظریہ بندۂ مؤمن کا قطعاً نہیں ہوسکتا بلکہ یہ تو یہود کا نظریہ ہے جسے قرآنِ پاک نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

"وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ط غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا م بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ط" (المائدہ، پ۶: ۶۴)

یہود نے کہا (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں (ایسا ہرگز

نہیں) بلکہ ان کے ہاتھ باندھ دیئے گئے ہیں اور جو کچھ انھوں نے کہا اس کے عوض ان پر لعنت بلکہ اللہ تعالی کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں، وہ خرچ کرتا ہے جیسے چاہتا ہے)۔

المختصر نمازِ جنازہ کے بعد دعا کے منکرین کے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ مذکورہ آیات بینات میں غور وفکر کریں اور پوری جرأت ایمانی کے ساتھ اپنے معمولات کو قرآن وسنت کے مطابق بنانے کی کامیاب کوشش کریں۔ رب قدوس اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ جلیلہ سے صراط مستقیم پر استقامت عطا فرمائے، آمین بجاہ حبیک الکریم علیہ الصلوۃ والتسلیم۔

مذکورہ قاعدہ کی بے شمار امثلہ پیش کی جاسکتی ہیں، مگر طوالت کے خوف سے صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ کھانے پینے کی جمیع اشیاء ہر قسم کا لباس، بیع کے تمام طریقے اور دیگر مروجہ معمولات مثلاً ایصالِ ثواب گیارہویں شریف اور میلادِ پاک کا جلوس وغیرہ تمام اس قاعدہ کے تحت مباح ہیں بشرطیکہ کسی عمل یا شئی کی حرمت یا کراہت پر کوئی اور دلیل موجود نہ ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

تعلیم وتعلم کی دنیا کے لئے خوشخبری

چھوٹے بچوں کو عربی سکھانے کی تین نئی کتابیں

لغۃ الرسول جزءاول

لغۃ الرسول جزءثانی

لغۃ الرسول جزءثالث

اردو انگلش قاعدوں کی طرز پر باتصویر رنگین اور عمدہ کاغذ پر دیدہ زیب طباعت اسکول ومدرسہ کے بچوں کے لئے یکساں مفید۔

مولف: مولانا محمد عثمان برکاتی

ناشر: الصفۃ دارالاشاعت جامع مسجد بہار مدینہ بہادرآباد کراچی۔